اقبال اور عہدِ حاضر کے مسائل

ظفر اقبال☆

Abstract:

Every great poet not only presents the critical appraisal of life but also makes the nations probe into the purpose of creation of life as well as creation of universe.

Iqbal fortunately has got himself enlisted among the greats like Ferdowsi, Saadi, Roomi, Hafiz, Keats, Meer and Ghalib. the literary giants who whave attracted the people from every nook and corner of the world irrespective of their colour, creed, religion and langugae.

Iqbal has not only pinpointed the problems of current era but also has delineated with his foresight, the problems of future and their solutions as well.

In this article, the writer has tried to expose the current problems of the Muslims throughout the globe and a solution is also devised with the help of "Fik-e-Iqbal".

ہر عظیم شاعر نہ صرف تنقید حیات اور عکس حیات پیش کرتا ہے بلکہ اس کے ساتھ تخلیق حیات کے قرینے بھی قوموں کو سکھاتا ہے وہ حالات حاضرہ کو آئینہ دکھا کر اس میں موجود کمیوں کو دور کرنے کے گُر بھی سکھاتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ وہ قوموں کو آئندہ پیش آنے والے مسائل سے آگاہ کر کے ان مسائل سے نپٹنا بھی سکھاتا ہے۔

تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ بہت سے ایسے شاعر جو اپنے زمانے میں معتبر شخصیات کے طور پر جانے جاتے تھے۔ آج ہم ان کے ناموں تک سے واقف نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی شاعری میں اس وقت کے حالات و واقعات کا عکس تو تھا لیکن مستقبل کے مسائل اور ان کا حل ناپید تھا۔

خوش قسمتی سے اقبال فردوسی، رومی، حافظ، دانتے، کیٹس اور میر و غالب کے اس گروہ میں شامل ہوئے۔

☆ لیکچرار، گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج، سمندری

جنھوں نے اپنے زمانے میں بھی اور آج تک بھی لوگوں کی توجہ کو اپنی جانب مرکوز کر رکھا ہے۔ اقبال نے اپنے عہد میں عمومی طور پہ پوری دنیا اور خصوصی طور پہ مسلمانوں کے مسائل کا جس خوبصورتی سے تجزیہ اور ان کا حل پیش کیا وہ ان کو دائمی مصلح بنانے پہ دال ہے۔

بدقسمتی سے ہم تاریخ کے اسی سیاہ دور سے گزر رہے ہیں جن کا سامنا ہمیں اور پوری دنیا کو اقبال کے عہد میں بھی تھا۔ ان حالات میں ہمیں فکرِ اقبال کی حالاتِ حاضرہ کے حوالے سے نئی تشریح کر کے ان مسائل کا حل پیش کرنا چاہیے۔

موجودہ دور میں ہم خاص طور پہ گورے اور کالے کی تمیز، سرمایہ داری، علماء کے تنازعات، عالمِ اسلام میں اتحاد کا فقدان، مسلمانوں کی محکومی و مجبوری، آمریت، برائے نام جمہوریت، انسانیت کی رسوائی و تذلیل، نئی نسل کی بے راہ روی، ماں کی فرائض سے غفلت اور والد کی بے پروائی، فلسطین و کشمیر کی جنگ آزادی، نسلی تضادات، اسلام سے دوری، دولت کی ہوس اور بے نمود و نمائش، سیاست دانوں کا عوامی استحصال، آقاؤں کا غلاموں پہ تشدد، قرآن سے دوری، طاؤس و رباب سے قربت اور شمشیر و سناں سے دوری، لسانی، علاقائی تعصبات اور تفرقہ بازی جیسے مسائل میں گھرے ہوئے ہیں۔ کم و بیش یہی مسائل مختلف صورتوں میں عصرِ اقبال میں بھی موجود تھے۔ اقبال نے ان تمام مسائل کو تفصیلاً بیان کر کے ان کا حل بھی پیش کیا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اقبال کے کدو کو غنیمت سمجھ کر اس سے بادۂ ناب حاصل کی جائے کیوں کہ اس حوالے سے اقبال کا دنیا میں سوائے اقبال کوئی ثانی نہیں کہ کسی اور شاعر کے افکار کے بطن سے کوئی ملک پھوٹا ہو۔ اس ضمن میں فتح محمد ملک رقم طراز ہیں:

> ''اقبال ایک ایسے فرد ثابت ہوئے جنھوں نے اپنے فکر و عمل سے اپنی قوم کے مقدر کو بدل کر رکھ دیا۔
> علامہ اقبال اس اعتبار سے اپنی مثال آپ ہیں کہ نہ تو ان سے پہلے اور نہ ہی ان کے بعد آج تک
> پوری انسانی تاریخ میں کوئی ایسا شاعر گزرا ہے جس کے افکار سے ایک نئے ملک کا جغرافیائی وجود
> پھوٹا۔''(۱)

ذیل میں عہدِ حاضر کے چند مسائل کا فکرِ اقبال کی روشنی میں حل پیش کیا جاتا ہے:

میرے خیال میں عہدِ حاضر کا سب سے بڑا مسئلہ تعلیم کا فقدان ہے خواہ وہ مذہبی ہو یا سائنسی، تعلیم مومن کی گمشدہ معراج ہے اور اس سے انسان کے فکر و نظر میں انقلاب پیدا ہوتا ہے۔ تعلیم کی کمی کی وجہ سے ہی نوجوان نسل گمراہ ہو کر صراطِ مستقیم سے بھٹک چکی ہے اور غیر انسانی اور غیر اخلاقی اعمال میں ملوث نظر آتی ہے۔ اقبال نے جا بجا علم حاصل کرنے اور اس سے اپنے قلوب و اذہان کو منور کرنے پر زور دیا اور ایسے نظامِ تعلیم کو بھی ہدفِ تنقید بنایا جس میں ایک اسلامی ملک میں اسلامیات کو اختیاری مضمون کا درجہ دے دیا جائے۔ اقبال کے نزدیک ایسی تعلیم بے مقصد ہے جس سے انسان صحیح طور پر دین سے آشنا نہ ہو سکے:

اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے غم ناک

نہ زندگی ، نہ محبت ، نہ معرفت ، نہ نگاہ

گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے تیرا
کہاں سے آئے صدا لا إلہ إلا اللہ

شکایت ہے مجھے یا رب خداوندانِ مکتب سے
سبق شاہین بچوں کو دے رہے ہیں یہ خاکبازی کا

مدرسہ عقل کو آزاد تو کرتا ہے مگر
چھوڑ جاتا ہے خیالات کو بے ربط و نظام

شیخ مرحوم کا قول اب مجھے یاد آتا ہے
دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے

یہی مسائل ہمیں دورِ حاضر میں بھی درپیش ہیں اور ہمارے حکمران اسلام اور تاریخ اسلام سے متعلق مضامین کو مغربی نظام تعلیم سے متاثر ہو کر نصاب سے خارج کر رہے ہیں۔

کلامِ اقبال کا مرکزی فکر اور فیصل آباد کے گھنٹہ گھر کی طرح آٹھ بازاروں کا مرکز خودی ہے۔ آج جس طرح ہمارے اندر سے قومی غیرت اور حمیت مفقود ہو چکی ہے۔ اقوام عالم میں ہماری رسوائی کی یہی بڑی وجہ ہے کیونکہ دنیا میں مقام و مرتبہ، غیرت مند اور خوددار اقوام کو ہی ملتا ہے۔ اقبال کہتے ہیں:

غیرت ہے بڑی چیز جہانِ تگ و دو میں
پہناتی ہے یہ درویش کو تاجِ سرِ دارا

غیرت ہو تو اقوام کو نہ صرف عزت و احترام سے دیکھا جاتا ہے بلکہ خدا بھی ان اقام کو اس مقام پر پہنچا دیتا ہے۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

اقبال خودی کو موجودگی کو لازمی امر قرار دیتے ہیں کیوں کہ اس کے بغیر انسان کو شخصیت نامکمل ہے اور کوئی بھی خوددار شخص کبھی کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتا۔ اقبال کے مطلوب ایسے افراد ہرگز نہیں جو سوائے خدا کسی کے سامنے جھکیں۔

ع تو جھکا جب غیر کے آگے نہ تن تیرا نہ من

اور

اے طائرِ لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

اے کہ غلامی سے ہے روح تیری مضمحل
سینہ و بے سوز میں ڈھونڈ خودی کا مقام

عہدِ حاضر کا ایک اور بڑا مسئلہ نوجوان افراد کی مغرب سے مرعوبیت ہے۔نوجوان نسل مغربی لباس، رہن سہن اور رسوم و رواج اپنا کر فخر محسوس کرتی ہے۔اقبال کو اس وقت بھی یہ احساس تھا اور اج بھی یہ مسئلہ قدرے زیادہ اثر پذیر ہے۔ اقبال کے نزدیک یورپی اقوام کی ترقی مسلم فکر و فلسفہ کی دین ہے اس لیے وہ مغرب نہیں بلکہ اسلام کو اپنا شعار بنانے پر زور دیتے ہیں۔جاوید اقبال لکھتے ہیں:

> ''اقبال کو یہ احساس تھا کہ دنیائے اسلام ہر طور پر مغرب کی طرف جھکتی چلی جا رہی ہے وہ اس تحریک کے مخالف نہ تھے کیونکہ یورپی تہذیب عقل و دانش کے اعتبار سے انھی نظریات کی ترقی یافتہ صورت پیش کرتی ہے جن پر اسلام کی تمدنی تاریخ کے مختلف ادوار میں غور و فکر کیا گیا۔دوسرے الفاظ میں وہ یورپی تہذیب کو ایک طرح سے اسلامی تہذیب ہی کی توسیع خیال کرتے ہیں۔''(۲)

علم و فن را اے جوانِ شوخ و شنگ
مغزی باید نہ ملبوسِ فرنگ

اقبال دورِ حاضر کے تصورِ وطنیت کے بارے میں بھی ہماری رہنمائی کرتے ہیں تمام ممالک اپنی سرحدوں کی حفاظت کرنا لازم خیال کرتی ہے کیونکہ ان کے نزدیک کسی دوسرے ملک کے فرد کا ان حدود کو توڑ کر مداخلت کرنا خلاف قانون ہے۔لیکن اقبال تو پوری دنیا کو مسلمانوں کا وطن قرار دیتے ہیں:

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسول ہاشمی

ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تیری

دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی

بازو تیرا توحید کی قوت سے قوی ہے

اسلام تیرا دیس ہے تو مصطفوی ہے

یہی وجہ ہے کہ اقبال نے ''ترانہ ہندی'' کی بجائے ''ترانہ ملی'' تخلیق کیا کیوں کہ یہ نظریہ انسانیت کا قائل ہے اور اسی وجہ سے ہی اقبال نے یورپ کو آئندہ خطرات سے آگاہ کیا تھا:

دیارِ مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو زر کم عیار ہوگا
تمھاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

اقبال کو روپی تصور وطن کی تمام باتیں خلاف اسلام نظر آئیں انھیں لگتا تھا کہ یہ تصور اسلام کے مدمقابل کسی فکر کی دین ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ اسلام ایسے نظریے کو رد کرتا ہے اس ضمن میں فضہ پروین لکھتی ہیں:

''مغربی تصور قومیت میں انسانیت کے وقار اور سربلندی کا سرے سے کوئی معیار ہی دکھائی نہیں دیتا ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یورپی اقوام نے اسلامی تعلیمات سے متصادم ایک ایسا تصور قومیت اپنایا جس میں بنیادی انسانی حقوق کا کوئی خیال نہیں رکھا گیا۔''(۳)

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اقبال نے تصور پاکستان کیوں پیش کیا؟ کیوں کہ ان کے نزدیک تو پوری دنیا ہی مسلمانوں کا وطن ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اقبال نے پاکستان کے قیام کا تصور اس لیے پیش نہیں کیا کہ مسلمانوں کے لیے ایک الگ وطن حاصل کیا جائے بلکہ ایک تہذیب کو دوسری تہذیب سے الگ کرنے کے لیے تصور پاکستان پیش کیا۔

اب یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ اقبال آفاقی شاعر تھے یا صرف مسلمانوں کے؟ یا تنقید یورپ کا محض مقصد مغرب کی متعصبانہ مخالفت؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اقبال اسلامی فکر و فلسفے کے شاعر نہیں بلکہ وہ اسلام کو ایک ایسا دین سمجھتے تھے جس میں تمام شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد کے لیے راہنمائی موجود ہے اور یورپ کو تنقید کا نشانہ اس لیے بناتے ہیں کہ ان کے تمام افکار اور علوم کا تعلق مادیت سے ہے اور اسلام میں جنت، دوزخ، آخرت، خدا اور فرشتے وغیرہ مادی حدود سے باہر ہیں اور صرف مغرب کی مخالفت ہی نہیں ان کے علوم وفنون کو قدر کی نگاہ سے بھی دیکھتے ہیں:

''اقبال کی عظمت تو یہ ہے کہ وہ یورپ کے بہترین خیالات کو لیتا ہے، جانچ تول کر لیتا ہے۔ ان میں کھرے کھوٹے کی تمیز کرتا ہے وہ کھلے بندوں پکار کر کہتا ہے کہ آج کل علم و دانش یورپ میں ہے آج سے ہزار سال پہلے علم و حکمت کا منبع ایشیائی تھے اور ان سے یورپ نے بے دریغ یہ دولت حاصل کی اور اب یہ وقت ہے کہ استاد شاگرد بنا ہوا ہے۔''(۴)

ایسی حالت دیکھ کر پھر اقبال خون کے آنسو بھی روتا ہے:

مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہو ہے سی پارہ

عہد حاضر میں مسلمانوں کو درپیش ایک اور اہم مسئلہ نا اتفاقی ہے۔ مسلمان مختلف فرقوں سنی، شیعہ، دیوبندی اور وہابی وغیرہ میں منقسم ہو چکے ہیں اور ہر فرقے والے دوسرے طبقے کو دشمن سمجھتے ہیں اور اب یہ معاملہ قتل و غارت تک جا پہنچا ہے۔ لیکن اقبال تو یوں کہتے ہیں کہ:

ع مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا

دورِ حاضر کے ملا نے قوم کو مختلف طبقات میں تقسیم کر کے قومی امن و سلامتی کا جنازہ نکال دیا ہے۔ اقبال مُلّا کے اس عمل سے سخت نالاں ہیں:

میں جانتا ہوں انجام اس کا
جس معرکے میں ہوں ملا غازی

وہ مذہب مردان خود آگاہ خدا مست
یہ مذہب مُلّا و جمادات و نباتات
قوم کیا چیز ہے! قوموں کی امامت کیا ہے
اسے کیا جانیں یہ بے چارے دو رکعت کے امام

اقبال ایسے حالات میں متحد ہونے کا درس دیتے ہیں اور کہتے ہیں:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

ملت کے ساتھ رابطہ استوار رکھ
پیوستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ

منفعت اس قوم کی ایک ہے نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی ، دین بھی ، ایمان بھی ایک

حرم پاک بھی ، اللہ بھی ، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک؟

عہد حاضر کا ایک اور اہم مسئلہ نااہل حکمرانوں کا انتخاب ہے اور ہمارا فرسودہ جمہوری نظام جس میں عوام ان حکمرانوں کو منتخب کرتی ہے۔ ہمارے نااہل حکمران جو خودی اور انسانی ہمدردی سے کورے ہیں قومی غیرت کو داؤ پر لگا کر غیر ملکی ڈالر حاصل کرنے کے لیے دن رات اپنی عوام کو ان کے رحم و کرم پر چھوڑنے کے درپے ہیں اور پھر ان ڈالروں کے سود ادا کرنے کے لیے مختلف محکموں کو نجی تحویل میں دے رہے ہیں۔ اقبال اس سودی نظام کے مخالف تھے جس میں ایک قوم دوسری قوم کا استحصال کرتی ہے:

امتے بر امتے ، دیگرو چرد
دانہ ایں می کارو آں حاصل برد
ایں بنوک ایں فکر چالاک یہود
نورِ حق از سینہ آدم ربود

اقبال کے نزدیک ایسے حالات میں دین کی باتیں کرنا بھی خام خیالی ہے:

تاتہ و بالا گردد ایں نظام
دانش و تہذیب و دیں سودائے خام

کہا جاتا ہے کہ بدترین جمہوریت بہترین آمریت سے اچھی ہے۔ لیکن اقبال کے نزدیک یہ جمہوریت بھی آمریت کا ہی دوسرا رُخ ہے۔ شکر میں لپٹی زہر ہے:

ہے وہی ساز کہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردوں میں نہیں ، غیر از نوائے قیصری
دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری

اقبال ایسی جمہوری طرز کے مخالف ہیں جس میں ان پڑھ لوگوں کے ہاتھوں منتخب نمائندگان قوم کے کاتب تقدیر بن جاتے ہیں:

جمہورت ایک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے
گریز از طرزِ جمہوری غلام پختہ کار شو
کہ از مغزِ دو صد خر فکرِ انسانے نمی آید

ایسے جمہوری عمل سے گزر کر آنے والے نمائندگان نہ صرف خود عوامی استحصال کرتے ہیں بلکہ دوسرے ممالک کو بھی ساتھ ملا کر غریبوں کا خون چوستے ہیں اور ان کی محنت سے اپنے محل تعمیر کرتے ہیں اور سوئس اکاؤنٹ بھرتے ہیں:

خواجہ نان بندہ مزدور خورد
آبروے دختر مزدور برد
نے بجا مش بادہ و نے در سبوست
کانچا تغیر کرد و خود بکوست

سرمایہ دار طبقے کے ہاتھوں عوامی استحصال اور عوام کی لاعلمی کا نقشہ افضل حمید یوں کھینچتے ہیں:

”سرمایہ دار طبقے نے ہمارے ملک میں جمہوریت کے نام پر لوٹ مار کا صحیح بازار گرم کیا ہے۔پارلیمان میں پہنچنے کے لیے سرمایہ ہی واحد کارگر ہتھیار ہے۔عوام کی اکثریت باشعور نہیں ہے۔انھیں کیا پتہ کہ سوئزرلینڈ کے اکاؤنٹس میں موجود چھ ارب ڈالی کدھر گئے۔ان بے چاروں کو کیا پتہ کہ رائے ونڈ پیلس یا سرے محل کس طرح وجود میں آتے ہیں انھیں کیا پتہ کہ ڈیزل میں سے کمیشن کس طرح کھیلا جاتا ہے اور بھتہ مافیا کی طاقت کا سرچشمہ کیا ہوتا ہے۔غریب اور ذہنی پسماندگی کا شکار ہماری عوام یہ نہیں سمجھتی کہ ان کے ووٹ کے اندر ان کی تقدیر بدلنے کی قوت ہے۔“(۵)

ہمارے حکمران غیر مسلموں کے سامنے کاسہ پھیلاتے ہیں اور اس خیرات سے اپنے پیٹ بھرتے ہیں۔مسلمان حکمرانوں کو کبھی باہمی اتحاد و یگانگت کا خیال ہیں آیا جب کہ یہ دورِ حاضر کی ضرورت ہے کہ تمام اسلامی ممالک کے حکمرانوں کو مندرجہ ذیل تین مسائل کے اسباب واثرات کو مدِنظر رکھتے ہوئے اقوام متحدہ کی طرز پر اتحاد بین المسلمین کا کوئی ادارہ بنانا چاہیے۔

(۱) عالمی طاقت کا نیا عالمی نظام

(۲) مسلمانوں کے ایک طبقے کی بے حسی، کم ہمتی اور مغرب سے مرعوبیت۔

(۳) استعمار کے خلاف مسلمانوں کے دوسرے طبقے کی جدوجہد۔

اقبال کی نگاہِ دوربین نے ان تمام مسائل کا جو ہمیں اج درپیش ہیں اندازہ کر کے مسلمانوں کو متحد ہونے کا مشورہ دیا تھا کیوں کہ ان کے نزدیک اقوام متحدہ کی حالت ایسی ہے:

من ازیں بیش ندانم کہ کفن دزدے چند
بہر تقسیم قبور انجمنے ساختہ اند

اقبال کے نزدیک اقوام متحدہ کفن چوروں کی جماعت ہے اس لیے مسلمان ممالک کو چاہیے کہ تہران کو مرکز بنا کر ایک ادارہ قائم کریں:

تہران ہو گر عالمِ مشرق کا جنیوا
شاید کرۂ ارض کی تقدیر بدل جائے

ایک اور اہم مسئلہ مسلمان قوم کی کاہلی، سستی اور تمام اعمال کے نتیجے کو تقدیر پر چھوڑنا ہے جیسا کہ:

ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی
چاہتے ہیں سو آپ کرے ہیں ہم کو عبث بدنام کیا

(میر تقی میر)

جہازِ عمر رواں پر سوار بیٹھے ہیں
سوار خاک ہیں ، بے اختیار بیٹھے ہیں

(محمد حسین آزاد)

اقبال کے مطلوب ایسے افراد ہرگز نہیں جو ہر اچھے اور برے عمل یا کسی بھی مصیبت کو تقدیر کے کھاتے میں ڈالیں کیوں کہ ان کے نزدیک:

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی ، جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری

وہ بے عمل زندگی کو موت کے مترادف قرار دیتے ہیں:

جنبش سے ہے زندگی جہاں کی
یہ رسم قدیم ہے یہاں کی
اس رہ میں مقام بے محل ہے
پوشیدہ قرار میں اجل ہے
چلنے والے نکل گئے ہیں
جو ٹھہرے ذرا کچل گئے ہیں

اقبال عامل کے یزداں تک بھی پہنچ جانے کے قائل ہیں:

ع یزداں بکمند آور اے ہمت مردانہ

اقبال اپنا حق ہر صورت میں حاصل کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں وہ بقول یگانہ:

خواہ پیالہ ہو کہ نوالہ ہو
بن پڑے تو جھپٹ لے بھیک نہ مانگ

کے قائل ہیں۔ اقبال کے نزدیک منزل کا کوئی تصور نہیں ہے:

ع ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

اقبال مسلسل عمل کو ہی زندگی قرار دیتے ہیں:

ہر اک مقام سے آگے مقام ہے تیرا
حیات ذوقِ سفر کے سوا کچھ اور نہیں

اقبال ایسے ذوقِ سفر کے طالب ہیں جس میں منزل کا تصور بھی ذہن میں نہیں ہونا چاہیے وہ تو

ع تھکیں جو پاؤں تو چل سر کے بل، نہ ٹھہر آتش

کے قائل ہیں۔ اقبال ہر کام کو تقدیر کے سپرد کرنے کے قائل نہیں بلکہ اپنی تقدیر خود بنانے کے قائل ہیں اور ویسے بھی ہماری قوم نے ہر آفت اور مصیبت کو تقدیر کے ساتھ جوڑ دیا ہے:

ظلم پسپا کہاں سے ہو کہ میری قوم نے بھی
ہر ستم گر کو گناہوں کا ثمر جان لیا

(خبیب زاہد)

اقبال تو تقدیر کے بارے میں یوں کہتے ہیں:

''دانتوں کا ڈاکٹر میرے دانت درد پر مجھ سے ہمدردی کر سکتا ہے لیکن اسے میرے دانت کے درد کی تکلیف کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ میری خوشیاں میرے دکھ اور میری خواہش مکمل طور پر میری ہیں اور صرف میرے ہی زاتی ایغو کا ضروری حصہ ہیں۔ میرے محسوسات، نفرتیں اور محبتیں، فیصلے اور ارادے کسی اور کے نہیں میرے ہیں خود خدا بھی نہ میرے لیے محسوس کر سکتا ہے نہ چناؤ۔ اس وقت جب مجھ پر عمل کے ایک سے زیادہ راستے کھلے ہوں۔''(۶)

کم و بیش عہد اقبال میں بھی یہی صورت حال تھی جس کا نقشہ ایوب صابر یوں کھینچتے ہیں:

''ہندو قوم سمیت اقبال کے نزدیک مشرق کی فلسفی مزاج قومیں زیادہ تر اس نتیجے کی طرف مائل ہوئیں کہ انسان انا محض ایک فریب تخیل اور اس پھندے کو گلے سے اتار دینے کا نام نجات ہے۔ انا کے پھندے سے نکلنے کے لیے ایک ہی طریق ہے اور وہ ترکِ عمل ہے۔ ترکِ عمل کے علاوہ ہندو اخلاقیات کا مقصد ذہنی سکون کا حصول ہے جب کہ اقبال اضطراب کے علمبردار ہیں اور نصب العین کے حصول کے لیے جدوجہد عمل کرنا اگزیر سمجھتے ہیں۔''(۷)

اقبال تو انسانی مقام اور ہر عمل میں اس کی آزادی کے حوالے سے یوں گویا ہوتے ہیں:

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفیٰ ﷺ سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں
بندہ حق بے نیاز از ہر مقام
نے غلام او را نہ کس او را غلام

اقبال عمل کے شاعر ہیں وہ اپنا مقام آپ پیدا کرنے کی تلقین کرتے ہیں اور نت نئی ایجادات کرنے کا درس دیتے ہیں:

پرانے ہیں یہ ستارے فلک بھی فرسودہ
جہاں وہ چاہیے مجھ کو کہ ہو ابھی نو خیز

اقبال مسلسل عمل سے اپنی خودی کو مضبوط کرنے کا سبق دیتے ہیں کیوں کہ بے عمل افراد کی خودی مردہ ہو جاتی ہے اور جن کے اندر خودی نہیں ہوتی، محکومی ومظلومی ان کا مقدر بن جاتی ہے:

اس کی تقدیر میں محکومی و مظلومی ہے
قوم جو کر نہ سکی اپنی خودی سے انصاف

عہد حاضر میں جنم لینے والے تمام مسائل کی بنیادی وجہ اسلام اور قرآن سے دوری ہے۔ قرآن وہ کتاب مقدس ہے جس میں تمام مسائل کا حل موجود ہے اور اقبال مسلمانوں کی خواری، رسوائی، بے حمیتی اور دوسری اقوام کے سامنے کاسہ لیسی کو قرآن سے دوری کا ہی نتیجہ قرار دیتے ہیں:

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآن ہو کر

اور درج ذیل اوصاف پیدا کرنے کے لیے ہمیں قرآن وسنت سے ہی رہنمائی لینی پڑے گی:

سبق پھر پڑھ صداقت کا ، عدالت کا ، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

اقبال ایسے افراد کے طالب ہیں جو قرآن وحدیث سے رہنمائی حاصل کر کے پوری دنیا پر چھا جائیں۔ ہمیں عہد حاضر میں قرآن وسنت کے بعد کلام اقبال سے رہنمائی حاصل کرنے چاہیے کیوں کہ اقبال کے افکار کا ماخذ بھی قرآن ہی ہے۔ بقول ڈاکٹر انور سدید:

> ''اقبال مجموعی طور پر ایک مینارۂ نور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان سے اکتساب فیض کرنے اور ان سے متاثر ہونے والوں کا حلقہ بہت وسیع ہے انھوں نے اپنے فکر ونظر سے برصغیر میں پورے ایک عہد کو متاثر کیا جس کا زمانی دائرہ مرورِ ایام کے ساتھ پھیل رہا ہے۔ چنانچہ انھیں بجا طور پر بیسویں (اور اب اکیسویں) صدی کا مجدد اور عہد آفریں شاعر تسلیم کیا گیا ہے۔''(۸)

مندرجہ بالا بحث کا ماحصل یہ ہے کہ کلامِ اقبال میں ان تمام مسائل کا حل موجود ہے جن کا عہد حاضر میں ہمیں کسی نہ کسی صورت میں سامنا ہے۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ اقبال کو بدلے ہوئے تناظر میں زیر مطالعہ لائیں کیوں کہ ان کے افکار جدید دنیا کے رویوں کی موجودگی میں ہماری رہنمائی کر سکتے ہیں۔ اقبال کی شہرت بھی افہام وتفہیم کے ایک نئے دور کا تقاضا کرتی ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ فتح محمد ملک، پروفیسر، **اقبال فراموشی**، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء، ص ۱۸۱

۲۔ جاوید اقبال، جسٹس، ڈاکٹر، ''وہ کام جو اقبال ادھورے چھوڑ گئے''، مشمولہ: **الحمرا**، لاہور: جلد ۱۲، شمارہ ۱، جنوری ۲۰۱۲ء

ص۱۲

۳۔ فضہ پروین، ''فکر اقبال کی سیاسی اور تہذیبی اہمیت''، مشمولہ: **ماہِ نو**، لاہور: جلد۵۳، شمارہ۴، اکتوبر تا دسمبر۲۰۱۲ء، ص۱

۴۔ تاثیر، ڈاکٹر، ''اقبال ایک آفاقی شاعر''، مشمولہ: **اقبال کا فکر و فن**، مرتبہ: افضل حق قریشی، لاہور: یونیورسل بکس، طبع دوم، ۱۹۸۸ء، ص۱۵۶-۱۵۵

۵۔ محمد افضل حمید، ۲۰۱۲ء میں اقبال کی اہمیت''، مشمولہ: **حرفِ جعفری**، فیصل آباد: جلد۱، شمارہ۱۱، ۲۰۱۲ء، ص۲۱

۶۔ محمد اقبال، ڈاکٹر، **اسلامی فکر کی نئی تشکیل**، مترجم: شہزاد احمد، لاہور: مکتبہ خلیل، ۲۰۱۴ء، ص۱۲۶

۷۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، **اسلامی فکر کی نئی تشکیل– اعتراضات اور تاویلات کا جائزہ**، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۰۷ء، ص۱۲۴

۸۔ انور سدید، ڈاکٹر، **اردو ادب کی مختصر تاریخ**، لاہور: عزیز بک ڈپو، طبع پنجم، ۲۰۰۶ء، ص۳۴۵

کتابیات:

☆ آغا یسین، ڈاکٹر، **اقبال اور نژادِ نو**، لاہور: بزمِ اقبال، ۱۹۸۶ء

☆ افضل حق قریشی، مرتب: **اقبال کا فکر و فن**، لاہور: یونیورسل بکس، طبع دوم، ۱۹۸۸ء

☆ انور سدید، ڈاکٹر، **اردو ادب کی مختصر تاریخ**، لاہور: عزیز بک ڈپو، طبع پنجم، ۲۰۰۶ء

☆ ایوب صابر، ڈاکٹر، **اسلامی فکر کی نئی تشکیل– اعتراضات اور تاویلات کا جائزہ**، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۰۷ء

☆ ذاکر حسین، ڈاکٹر و طاہر تونسوی، ڈاکٹر، **کیا آج اقبال کی ضرورت ہے**، فیصل آباد: گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، س ن

☆ احمد ہمیش و شاہین مفتی، مرتبین: **پاکستانی ادب ۲۰۰۷ء**، اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۱ء

☆ سمیع اللہ قریشی، **افکارِ اقبال**، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۷۷ء

☆ فتح محمد ملک، پروفیسر، **اقبال فراموشی**، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء، ص۱۸۱

☆ کنیز فاطمہ یوسف، **اقبال اور عصری مسائل**، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء

☆ محمد اقبال، ڈاکٹر، **اسلامی فکر کی نئی تشکیل**، مترجم: شہزاد احمد، لاہور: مکتبہ خلیل، ۲۰۱۴ء، ص۱۲۶

☆ محمد اقبال، ڈاکٹر، **شرح کلیاتِ اقبال فارسی**، ترتیب، ترجمہ و تشریح: حمید اللہ شاہ ہاشمی، لاہور: مکتبہ دانیال، س ن

☆ محمد اقبال، ڈاکٹر، **کلیاتِ اقبال اردو**، لاہور: خزینہ علم و ادب، ۲۰۰۲ء

رسائل و جرائد:

☆ **الحمرا**، لاہور: جلد۱۲، شمارہ۱، جنوری۲۰۱۲ء

☆ **ماہِ نو**، لاہور: جلد۵۳، شمارہ۴، اکتوبر تا دسمبر۲۰۱۲ء

☆ **حرفِ جعفری**، فیصل آباد: جلد۱، شمارہ۱۱، ۲۰۱۲ء، ص۲۱